

THE REAL WEALTH OF NATIONS
BY RIANE EISLER

قوموں کی اصل دولت

نئے معاشی نظام کی تشكیل کی طرف ایک قدم

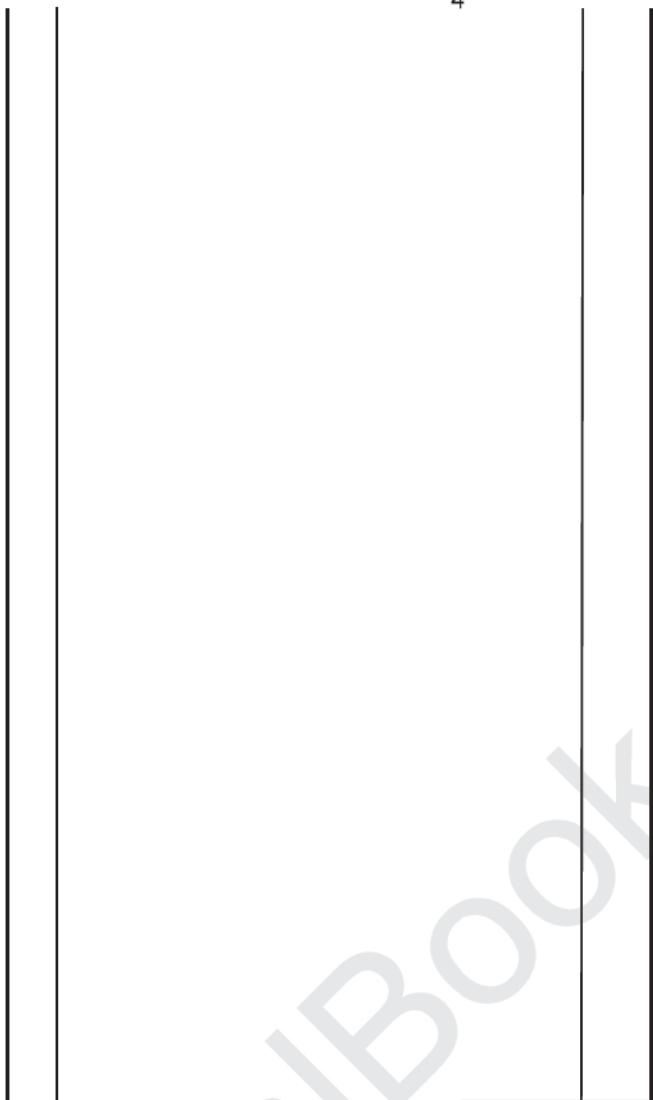


ریان آئسلر ترجمہ: پروفیسر حنیف کھوکھر



فہرست

5	توجی کی ضرورت
13	معاشی نظام میں تبدیلی کیوں ضروری ہے؟
36	معاشریات ایک وسیع ناظر میں
61	توجی و گہدراشت کے فائدے.....ڈالروں میں
90	وہ رامیار
116	نقاطوں کا اتصال
147	تسلطی معاشریات
176	شرکتی معاشریات
207	میکنالوجی، محنت اور بعد اصنعتی دنیا
234	ہم کون ہیں اور کہاں کھڑے ہیں
267	ہم تبدیلی کیسے لائے ہیں؟
269	حرف تکر
298	مصنفہ کا تعارف
301	مرکز برائے مطالعات مشارکت



Mashaibooks.com

MashalBooks.com

توجہ کی ضرورت

میری پوری زندگی ایک جتنو سے عبارت ہے۔ اس جتنو کا آغاز اس وقت ہوا جب ہمیں نازیوں کے خوف سے اپنے آبائی وطن دیانا سے بھرت کرنا پڑی۔ یہ جتنو ہوانا کی ان مفلوک احوال مہاجر بستیوں میں رہتے ہوئے بھی میرے ذہن و قلب پر چھائی رہی جہاں ہم پناہ گزیں گے کی جیشیت سے پہنچ اور پھر امریکہ میں بھی جہاں میں پلی بڑھی۔ آپ پچھیں گے کہ یہ جتنو آخوندگی کس پیڑی کی؟ میری روح کو صرف اس بات کی جتنو تھی کہ آخ کیا جد ہے کہ انسان کے ہنائے ہوئے معاشرے میں کہ جس کے نہیں خدمت، محبت، آگئی اور اختراع کے گُن اس قدر کوت کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں، اس قدر علم و جریبے، حسی اور تحریب و فساد کیسے در آتے ہیں؟

میری اس جتنو نے مجھے سارے جہاں کی سیر کردا دی۔ میری روح نے کیا کیا دشت نور دیاں نہ لیں۔ بھی میں نے تاریخ و نفیات و اثربیات کا دروازہ کھکھایا تو کبھی ادب و سیاست اور معاشریت کے پانیوں میں غوط زن ہوئی لیکن میں جہاں بھی گئی، لوٹی تو معاشریات کے پاس ہی آتی۔ انجام کار میرا ذہن اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر ہمیں اپنی اپنے بچوں اور آنے والی نسلوں کی بقا و بہبود مطلوب ہے تو ہمیں موجودہ معاشری نظام کو بدلتا ہو گا۔

پھر یوں ہوا کہ وقت کا دھارا مجھے جوانی کی دلیلزینک لے آیا۔ میری شادی ہوئی، میرے ہاں پہنچے ہوئے میرے بچوں کے پہنچے ہوئے اور میں دادی بن گئی لیکن اس سارے عرصے کے دوران میری جتنو بھی آگے سے آگے بڑھتی رہی اور معاشریات کے ساتھ میرے عشق میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

جب میں اپنے پوتوں کی جانب دیکھتی تھی تو میرے ذہن میں ہمارے اس کردہ ارض پر

لئے والی لاکھوں وہ مخصوص صورتیں بھی درآتی تھیں جو اس دنیا میں زندگی، شفقت اور خوشی کی آس لے کر آتی ہیں مگر پھر دکھ افلاس اور بیماری سے سک سک کر بے وقت اور بے رحم موت کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ جب مجھے ہمارے براعظموں کے پیغمبرانی پر یقینی اچھاہ سمندروں کے حسن کا خیال آتا تھا اور جب میں ان سمندروں کے کناروں پر آباد خوبصورت شہروں کا تصور کرتی تھی تو معاشرے میں میں موجودہ دور کے معاشی قوانین سے لاحق ہونے والے موکی تبدیلیوں کے خدشات بھی منڈلانے لگتے تھے۔ رفتہ رفتہ میری اردو گردکی دنیا میں پہلے ارضی حقائق سے شناسائی پڑھتی چلی گئی۔ میں نے ان گھر انوں اور ان گھر انوں سے وابستہ افراد کا تجربہ کرنا شروع کر دیا جن کے پاس ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے اور ایک دوسرے کے ساتھ دکھ کر بھی بات کرنے کا وقت بھی نہیں ہوتا پھر میں نے میکنا لوچی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ وہ میکنا لوچی کہ جسے انسان کو خوشیاں دینے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے تھا مگر جس سے اتنا انسانی زندگی میں ویرانی پیدا ہونے لگی ہے۔ وہ میکنا لوچی جس نے اچھے بھلے انسانوں کو بھی مہاجریوں میں بدل دیا ہے اور انھیں دوسرے انسانوں سے اور خوشی سے دور کر دیا ہے۔ یہ سب سوچتے سوچتے جب میں رکی تو میں نے دیکھا کہ میرے قدم ایک بار پھر واپس معاشیات کی دلیل پر بیٹھنے لگتے تھے۔

میں نے محسوں کیا کہ ہماری دنیا میں جب تک غربت، افلاس اور تشدد ہاتی ہے، ہم میں سے کوئی بھی سکھ سے زندگی نہیں گز ارسکتا اور کوئی بھی کسی محفوظ مستقبل کا تصور نہیں کر سکتا۔ میں نے محسوں کیا کہ موجودہ معاشی چلن ہمارے اس خوبصورت سیارے کے منہ میں ڈھیل رہے ہیں اور اس کے حسن کو چاٹتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے اور اک ہوا کہ ہمارے ان مردجہ معاشی قوانین کے بھیتے میں کوئی ایسی کمگی اور خامی ضرور ہے جس کی وجہ سے وہ انسان کے سب اہم کام کی مناسب طور پر قدر پیایا سے قاصر ہے ہیں: یعنی توجہ و احساس کی قدر پیایا سے۔ اس بے بہا کام کی قدر پیایا سے جو کہ انسان خود پر دوسروں پر اور اپنی اس مادر ارض پر توجہ دیتے وقت اور ان کا احساس اور خیال کرتے ہوئے سر انجام دیتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ میں نے معاشیات کے علم کو ایک مختلف رازویے سے دیکھنا شروع کر دیا۔ میرے دل میں ایک ایسے معاشی نظام کی جگتو پیدا ہوئی جس میں مردجہ معاشی منہاجات کی ساری اچھی باتیں بھی موجود ہوں مگر جو ہم میں ان منہاجات اور ان کے

مطلوبات سے بالا ہو کر سوچنے کی صلاحیت بھی پیدا کر سکے اور جو ہمیں جینے اور جیون کی ایک ایسی روشنی تک لاسکے جس پر گامزن ہو کر ہم انسان کی خارجی اور داخلی احتیاجات کے تقاضوں سے صحیح معافی میں عہدہ برآ ہونے کے قابل ہو سکتیں۔ رفتہ رفتہ میرے دل میں یہ احساس بھی جاگزیں ہونے لگا کہ ہمیں معاشیات کے بارے میں ایک زیادہ فراخ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے یعنی ایسا رویہ اپنانے کی ضرورت ہے کہ جو محدود نہ ہو بلکہ اس مضمون کے وسیع تر سماجی اور ظرفی سیاق و سبقات کو بھی مذکور رکھے۔

مجھے خوشی ہو گی اگر اس نے انداز کی اقتصادی تحقیق میں آپ بھی میرے ساتھ شریک ہوں۔ اس کے لیے آپ کو فقط اپنے ذہن کی سلیٹ کو صاف کرنا ہو گا، یعنی اپنے آپ کو ان مفروضات سے آزاد کرانا ہو گا جو ہم نے ہماری نظر کو سکوڑ رکھا ہے۔ پچیس بات تو یہ ہے کہ ہم جن چیزوں پر بات کریں گے ماہرین معاشیات ان کو درخواست اعتمادی نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ معاملات معاشیات کے زمرے میں ہی نہیں آتے۔ میں آپ سے یہ درخواست بھی کروں گی کہ ان اور اُن کو ملاحظہ کرتے ہوئے آپ اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ آپ خود اپنے اندر کس طرح کی زندگی کی تمنا محسوس کرتے ہیں اور آپ اپنی زندگی میں کس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

آنکہ صفات میں ہم معاشیات کا مشاہدہ ایک ایسے عدے سے کریں گے جو ہم پر اس چیز کے امکانات مکشف کرتا ہے جسے میں نے متوجہ یا حساس معاشیات یا الفاظی معاشیات کا نام دیا ہے۔ میں نے گئی بندھی سوچ سے بالآخر ہو کر سوچا ہے اور مجھے اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ حساس اور معاشیات کے الفاظ کو ایک ہی فقرے میں ایک ساتھ استعمال کرنا بھی اکثر حکماء معاش کے زد دیکھ ایک بدعت سے کہنیں۔ مگر کیا کریں۔ اس ڈور کا تفاصیل ہی بھی ہے کہ اس طور کی بدعتیں کی جائیں۔ اس بدعت کا الراہ ہمیں اپنے سر لیتا ہی ہو گا۔

ان حالات میں جگہ معيشت بہت تیزی سے عالمی رنگ اختیار کرتی چلی جا رہی ہے اور دنیا کے بڑے تجارتی ادارے کہ میں ان الاقوامی معيشت اور صنعت و حرفت جن کی مکمل گرفت میں ہے، تمام تر اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال کر اپنا کھیل کھیلنے میں مصروف ہیں حساس معاشیات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت پہلے سے بھی کہیں زیادہ شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ زیر نظر کتاب میں معاشیات کے بارے میں ایک نئی سوچ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس

بات کا ایک نئے سرے سے جائزہ یعنی کی کوشش کی گئی ہے کہ معاشریات کیا ہے اور اسے کیا ہونا چاہیے۔ اس تصنیف کو ایک ایسے نقطہ آغاز کے طور پر لیا جانا چاہیے جس کو بنیاد بنا کر معاشری ڈھانچے، اصول و قوںین اور عکت عملیوں کو اپنے سروں اس طرح تحریر کیا جاسکتا ہے کہ جس سے ہماری ثابت صلاحیتوں کو جلا ملے اور مخفی امکانات میں تخفیف ہو۔

میں نے اس کتاب کو ”اصل دولت اقوام“ کا نام اس لیے دیا ہے کہ یہ ہم پر اس راز کو عیاں کرتی ہے کہ ہمارے سب سے زیادہ قابل تقدیر معاشری اثاثے میں نہیں بلکہ ہماری انسانی برادری کی حقیقی دولت اور اس کا اصل سرمایہ ہے۔ آدم کی محنت اور ہمارا قدرتی محل ہے۔ اس کتاب کو یہ نام دینے سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں ایڈم سمعتھ کی شہرہ آفاق تصنیف ”دولت اقوام“ کی طرز پر اقتصادیات کے موضوع پر کوئی تحریر یا یادگاری قلمبند کرنے لگی ہوں۔ ہماری آج کی دنیا کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمیں بہت سے مختلف شعبوں کے علم کو کیجا کرنا ہو گا۔ اس بات کو پیش نظر کئے ہوئے میں نے بھی اس کتاب کو وسط تحریر میں لاتے ہوئے متعدد معاشری اور سائنسی علوم سے اکتساب کرنے کی سعی کی ہے۔ میں نے چند ایسے عملی اقدامات بھی تجویز کیے ہیں جن کو عمومی جامہ پہنانہ کرہم اپنے نظام ہائے معیشت و معاشرت کو ایک نسبتاً زیادہ ثابت ڈگر پر ڈال سکتے ہیں۔

میں نے اس تصنیف میں جو ایک نیا معاشری تناظر متعارف کرانے کی کوشش کی ہے وہ میری تیس سالہ کا دش و تحقیق کا شمر ہے اور میں نے اس میں سائنس کے ارقلائی منہاجات کا اطلاق معاشرتی نظاموں پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دوران میرا واسطہ نظر یہ خلفشار و پچیدگی کے شارٹین سے بھی رہا اور میں نے ہمارے معاصر دور کے حقیقی عالمی مسائل سے متعلق ان نئے انتقلابی نظریات کو استعمال کرتے ہوئے بہت سی تحریر بھی قلمبند کیں۔ میں نے اپنی تصنیف میں جن کا آغاز ”اصل دولت اقوام ہماری تاریخ، ہمارا مستقبل“ سے ہوا، تاریخ کو ایک نئی عینک پیش کرنے کی کوشش کی ہے جسے پہن کر ہم اپنے عربانی نظاموں کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور اس بات کا تعین کر سکتے ہیں کہ ایک زیادہ عادل اور متحموم دنیا کی بنیادیں کس طرح استوار کی جاسکتی ہیں۔ اس عینک کو ایک تحریریاتی تانے بنانے کے روپ میں میری تمام تحریر و تصنیف میں محسوس کیا جاسکتا ہے: ”شرافت“، یا نظام احترام ہاہم اور ”سلط“ یا اور پر سے تلے کی جانب کنڑوں کا نظام۔ یہ عربانی زمرے شافعی تغیر کے اس نظریے کا لازمی

جز و ہیں جنہیں میں پیشتر صانعین میں پہلے ہی متعارف کرا چکی ہوں۔ یہ نمرے بیمار معاشی قوانین و منہاجات کو سمجھتے اور ان میں تبدیلی پیدا کرنے کے اعتبار سے بھی اہم ہیں جو کہ اس نگاہ سے کامنہاۓ مقصود ہے۔

ایم سستھ نے جب ”دولت اقوام“ تصنیف کی تو اس کی ساری توجہ بازار یا اگر اس کے اپنے الفاظ استعمال کیے جائیں تو ”بازار کے پیچھے کا رفرما خفیہ ہاتھ“ پڑھی جئے وہ ضروریات زندگی کی پیداوار اور ان کی تثیم کے لیے بہترین منہاج تحریر کرتا تھا۔ تاہم آپ کے زیر مطالعہ یقینی معاشیات کا ایک وسیع تر ناظر میں از سرتو جائزہ لینے کے لیے بازار سے ورائی جائے گی اور اس ناظر میں زندگی کو سہائنا دینے والی قطری، گروہی اور عائی سرگرمیاں بھی شامل ہوں گی۔

مزید یہ کہ میں نے اس کتاب میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ایک ایسا معاشی نظام ترتیب دینے کے لیے کہ جو ہمیں درپیش مہب مسائل کا مقابلہ کرنے میں ہماری مدد کر سکے ہمیں انسان اور فطرت کے لیے توجہ و فکر مندی کے عمرانی اور اقتصادی اعتبار سے اجتنابی اہمیت کے حامل کام کو زیادہ اہمیت دینا ہوگی۔ اس کو زیادہ تماںیاں مقام دینا ہو گا اور اس کی ہر ہمکن طریقے سے حوصلہ افزائی کرنا ہوگی۔ اس بات کو آپ اس تصنیف کا مرکزی خیال بھی قرار دے سکتے ہیں۔ فی الواقع اگر ہم اس بات سچے محسوس میں سوچ بچا کریں تو یہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لا اخلاق بے حس معاشی پالیسیوں اور قوانین میں اس وقت تک کی تبدیلی کی توقع عبیث ہے جب تک کہ ہم توجہ و احساس کے حامل وظائف کو زیادہ اہمیت دینا شروع نہیں کر دیتے۔

آنکندہ ابواب میں ہم ملاحظہ کریں گے کہ ایک زیادہ منصفانہ اور پائیدار معاشی نظام معاشی اور عمرانی منہاجات کے درمیان تعامل پر توجہ کا متفاضل ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ ایک ایسے آدھ کے حصول کے لیے ہمیں معاشیات کے روایتی تصور کو وسعت دینے کی ضرورت ہے۔

آغاز ہم اس مفروضے سے کریں گے کہ کسی بھی معاشی نظام کو انسانی معاشرے میں بہبود راحت اور آسودگی کے فروغ کے لیے تکمیل دیا جاتا ہے۔ یہ وہ نہیاں بات ہے جسے محسوس ہوتا ہے کہ آج کے دور کے ماحرین معاشیات نے یک سرٹرانڈ اداز کر رکھا ہے۔ ازاں بعد ہم

معاشریات اور متعدد شعبوں کے بڑے مفکرین کے افکار و تحقیقات سے اکتساب کرتے ہوئے محنت، اقدار اور زندگی کے بارے میں نئی جہات دریافت کریں گے۔

باب اول میں قاری کو معاشری تعلقات و تعاملات کی اس بخش گلی سے ٹکالنے کی کوشش کی گئی ہے جن کو روزانی معاشری منہاجات مثلاً سرمایہ داریت، اسٹرائکیت، اجتماعیت یا مراجیت وغیرہ بحث میں لاتے ہیں۔ اس باب میں متوجہ معاشریات کی پہلی اساس پر بات کی گئی ہے۔ اس میں ایک مکمل معاشری نقشہ آپ کے سامنے آئے گا جس میں زندگی کو سہیجا دینے والے فطری، گروہی اور عائلی تفاعلات بھی شامل ہیں۔

باب دوم میں ہمارے اقتصادی تناظر کو توسعہ دے کر اس میں اس کے وسیع تر شاقی سیاق و سبق کو بھی شامل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہ سعی ہمیں متوجہ معاشریات کی دوسری اساس تک لے آتی ہے یعنی ان شاقی عقیدوں اور اداؤں پر غور و فکر تک جو توجہ و گہداست کو قرار واقعی اہمیت اور وزن دیتے ہیں۔ کتاب کے اس جزو میں شراکتی نظام اور تسلطی نظام کی معاشری و معاشرتی اصطلاحات کو متعارف کرایا گیا ہے اور اس میں ایسے روابط و تعاملات کو عیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن پر پہلے اتنی توجہ نہیں دی گئی۔ معاشری طور پر کسی چیز کی کیا قدر و قیمت ہے اور کیا نہیں اس سلطے میں نئے اصول و معیارات تجویز کیے گئے ہیں۔ اس میں یہ بھی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ سب عوالم ہماری زندگیوں پر اور ہمارے بچوں اور اس کرہ ارض کے مستقبل پر کیسے اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

موخر تین ابواب میں متوجہ معاشری نظام کی تین مزید اساسات کا تعارف دیا گیا ہے۔ اول متوجہ معاشریات کے اصول و ضوابط اور پالیسیاں، دوم اشتہانی اور درست معاشری مظاہر اور سوم وہ معاشری اور معاشرتی ڈھانچے جو سلطے کی بجائے شراکت کو فروغ دیتے ہیں۔

یہ ابواب ہماری روزمرہ زندگیوں، معاشریات اور شاقی اقدار اور دوایات کے نفاط کو ملاتے چلے جاتے ہیں اور قارئین کو بتاتے ہیں کہ متوجہ معاشری پالیسیاں کس طرح تخلیل اشکال، اختراع اور تجارت میں انسان کی معاذنت کرتی ہیں اور ان سے کاروبار، تجارت، افراد اور ہمارے قدرتی ماہول کو کیسے فائدہ پہنچتا ہے۔ ان میں اس بعداً صنعتی میഷت کو مد نظر رکھتے ہوئے محنت اور پیداوار کی ارز سن تعریف مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں افرادی سرمائے کو اہم ترین سرمائے کی جگہ دی جاتی ہے۔ پیداواریت کے ان نئے مقیاسات اور اشارات کی بات بھی کی